© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

اگر ہندوستان میں آزادی کی جدوجہد انقلابی نوعیت کی ہوتی، اور اس کا مقصد فی الحقیقت یہ اور صرف یہ ہوتا کہ اُس ظالمانہ نظامِ حکومت کا قطعی خاتمہ کردیا جائے جو انگریزوں نے یہاں قائم کیا ہے، اور اس ملک کے باشندے انگریزی اثر و اقتدار سے بالکلیہ آزاد ہوکر اپنی قسمت کا آپ فیصلہ کریں، تو کوئی کافر ہی ہوتا جو اس مقصد کے خلاف زبان کھولتا، اور اس کے حصول میں مددگار بننے سے انکار کرتا۔ اس صورت میں یہ سوال چھیڑنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی کہ انگریزی سلطنت کی عمارت کو توڑ کر جو دوسری عمارت بنائی جائیگی اس کا نقشہ کیا ہوگا۔ ہم بڑی آسانی کیساتھ اس امر پر متفق ہوسکتے تھے کہ پہلے لڑکر اس بداصل عمارت کو توڑ ڈالو، پھر جو جماعت فکر و نظر اور قوتِ اثر کے لحاظ سے غالب تر ہوگی اسی کے تجویز کردہ نقشہ پر نئی عمارت بن جائیگی۔ مستقبل کے سوال کو ہم آزادانہ مقابلہ اور اس کے نتیجہ پر چھوڑ دینے کے لیے بڑی خوشی کے ساتھ تیار ہوسکتے تھے، اور اگر تیار نہ ہوتے تو یہ یقیناً ہماری بزدلی اور اعتماد علی النفس کی کمی پر دال ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں، یہاں صورت حال یہ ہے ہی نہیں۔

یہاں جدوجہد کی نوعیت انقلابی نہیں بلکہ دستوری ہے۔ یعنی اس جنگ کا نقشہ یہ نہیں ہے کہ انگریزی سلطنت کے نظام کو توڑ ڈالا جائے، بلکہ نقشۂ جنگ دراصل یہ ہے کہ اسی نظام سلطنت کے اندر رہ کر حکمراں جماعت پر دباؤ ڈالا جائے اور بتدریج اس سے اختیارات حاصل کیے جائیں۔

اس قسم کی جنگ کا مقصد "آزادی کامل" نہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ فی الواقع ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایسی جنگ میں جو چیز مل سکتی ہے اور جو درحقیقت مطلوب بھی ہے وہ سلطنت برطانیہ کے زیر سایہ حکومت خود اختیاری ہے۔ تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ اس طرح بھی آزادی کامل کا حصول ممکن ہے اور وہی مطلوب بھی ہے تو اسکی صورت یہ نہیں ہے اور نہیں ہو سکتی کہ ایک نظام حکومت کلیۃً ختم ہو کر دوسرا نظام حکومت بعد میں نئے سرے سے قائم ہو۔ بلکہ دراصل اسکی صورت یہ ہے کہ ایک نظام حکومت کے اندر سے دوسرے نظام حکومت کا ارتقا تدریج کیساتھ ہو رہا ہے اور ہوتا رہیگا۔ پہلے پرامن جدوجہد سے غیر ملکی فرمانرواؤں پر دباؤ ڈالا گیا، پھر اس دباؤ سے کچھ اختیارات حاصل کیے گئے، پھر ان اختیارات کو استعمال کر کے ملک کو ایک خاص نقشہ پر تیار کرنا شروع کر دیا گیا۔ اس طریقہ سے جو طاقت حاصل ہو گی اسکو مزید دباؤ ڈالنے کیلیے استعمال کیا جائیگا تاکہ مزید اختیارات حاصل ہوں، اور جب وہ اختیارات حاصل ہو جائینگے تو ان کو پھر اسی نقشہ پر ملک کی تعمیر میں استعمال کیا جائیگا۔ پس اگر اس طرز کی دستوری ترقی سے آزادی کامل حاصل ہوئی بھی تو وہ اس وقت حاصل ہو گی جب انگریزی اسٹیٹ کی گود میں نشوونما پا کر ہندوستانی اسٹیٹ درجۂ کمال کو پہنچ جائیگا اور ہندوستانِ جدید کی تعمیر جس نقشہ پر شروع کی گئی ہے اسی نقشہ پر وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہو گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب نقشۂ جنگ یہ ہے تو ابتدا ہی میں ہمارے لیے اس سوال پر غور کرنا لازم ہو جاتا ہے کہ یہاں نظام حکومت کا نشوو نما کس ڈھنگ پر ہو رہا ہے، اور اس کے تحت ہندوستان جدید کی تعمیر کس نقشہ پر کی جا رہی ہے۔ اس سوال کو قطعی نظر انداز کرنیکا تصور صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں، جو نام کے مسلمان ضرور ہیں، مگر جنکی نگاہ میں خود اپنے یا اپنی آئندہ نسلوں کے مسلمان رہنے یا نہ رہنے کا مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور اس سوال کو بعد کے لیے اٹھا رکھنے کا خیال صرف اُن دماغوں میں آسکتا ہے جنہیں خدا نے بصیرت سے قطعی محروم کر دیا ہے۔ باقی رہے وہ لوگ جو اپنے اور اپنی آئندہ نسلوں کے مسلمان رہنے کو اہم اور اقدم سمجھتے ہیں، اور جو ہندوستان کے جدید انقلاب میں نہ صرف اسلام کا بقا و تحفظ، بلکہ اسکی ترقی و سربلندی چاہتے ہیں، اور جن کو خدا نے عقل و بصیرت سے محروم نہیں کیا ہے، تو انکے نزدیک یہ سوال اِس وقت اور اِسی وقت چھیڑنے کا ہے، کیونکہ یہ ہندوستانی مسلمان کی زندگی اور موت کا سوال ہے اور اس کو بعد کے لیے اٹھا رکھنے کے معنی دراصل یہ ہیں کہ زندگی کے مسئلے کو موت کے انتظار میں ملتوی رکھا جائے، جس کا تصور بھی کوئی مرد عاقل نہیں کر سکتا۔

گذشتہ صفحات میں، میں نے اسی سوال سے بحث کی ہے، اور جو ناقابل انکار حقائق میں نے پیش کیے ہیں، ان سے تین باتیں قطعی طور پر ثابت ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ نظام حکومت کا ارتقا ایسے ڈھنگ پر ہو رہا ہے جس سے حکومت کا اقتدار انگریزی سنگینوں کی حمایت میں کلیۃً ہندو قوم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور ہندوستان کی دوسری تمام قلیل التعداد قوموں کیلیے جن میں مسلمان بھی شامل ہیں، اس تغیر و انقلاب کی حیثیت اسکے سوا کچھ نہیں رہتی کہ وہ ممالیک کی طرح ایک آقا سے دوسرے آقا کے قبضے میں چلے جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے یہ کہ اس نظام حکومت کے تحت ہندوستان جدید کی تعمیر ایسے نقشہ پر ہو رہی ہے جس میں ہماری تہذیب اور ہماری قومیت کیلیے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جمہوریت اور پارٹی سسٹم کی بدولت جو اقتدار ہندی قوم پرستوں کے ہاتھوں میں مرتکز ہو گیا ہے، اور آئندہ ہونیوالا ہے، اس کو ایک نئی ہندی قومیت بنانے کیلیے استعمال کیا جا رہا ہے، اور اس قومیت کی تخلیق کیلیے وہ تمام تدبیریں عمل میں لائی جا رہی ہیں جو قومیتوں کو فنا کرنے والی اور قوموں کو تہذیبی ارتداد پر مجبور کرنے والی ہیں۔

تیسرے یہ کہ زمانۂ حال کے تصورات سیاسی کے تحت حکومت کا دائرۂ اثر زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو گیا ہے، اور کوئی ایسی حد باقی نہیں رہی ہے جس پر یہ دائرہ ختم ہو جاتا ہو لہذا اب یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک غیر مسلم حکومت کے تحت رہ کر مسلمان زیادہ عرصہ تک اپنی اسلامیت کو برقرار رکھ سکیں۔ طریق تعلیم، نظم معیشت اور طرز تمدن میں جو تغیرات غیر مسلم حکمران کرینگے وہ حد سے حد تیسری پُشت تک پہنچتے پہنچتے مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو خود بخود غیر مسلم بنا چھوڑینگے بغیر اسکے کہ ان کے گلوں پر تلوار رکھ کر انہیں کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے۔ اس تدریجی عملِ تحلیل سے کوئی دستوری تحفظ اور کوئی اعلانِ حقوق ہماری حفاظت نہیں کر سکتا۔

یہ تین حقیقتیں آج اس قدر نمایاں ہو چکی ہیں کہ اب ان کے خلاف دلائل پیش کرنا قوتِ استدلال کو فضول ضائع کرنیکے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اگرچہ میں برملا تحدّی کرتا ہوں کہ اگر کسی صاحب کے پاس ان کے خلاف کوئی دلیل ہے تو وہ سامنے لائیں اور ضرور لائیں، مگر میرا دوستانہ مشورہ یہی ہے کہ سورج کے عدم وجود پر دلیل لانے کی کوشش نہ کی جائے، بلکہ جو کچھ بھی گفتگو کرنی ہے، سورج کو موجود مان کر کی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حقائق کو تسلیم کر لینے کے بعد جب ہم غور کرتے ہیں کہ اس حالت میں ہمارے لیے کونسی پالیسی انسب ہے، تو تین مختلف تجویزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ نظام حکومت کا ارتقاء جس ڈھنگ پر ہو رہا ہے اُسی پر ہونے دیں، ہندوستان کی تعمیر جدید جس نقشے پر کی جا رہی ہے، اُسکی بھی مزاحمت نہ کریں، بلکہ قوم پرستوں کی سیاسی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیں، تاکہ انگریزی امپیریلزم کا خاتمہ ہو جائے۔ اگر اس کا نتیجہ یہی ہونیوالا ہے کہ ہم انگریز کے بجائے ہندو کے غلام ہو جائینگے، تب بھی ہمیں اسکو گوارا کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح دنیائے اسلام تو انگریزی اثر سے آزاد ہو جائیگی، اور مقامات مقدسہ تو انگریز کی گرفت سے چھوٹ جائینگے۔ اس فائدہ کو ملحوظ رکھ کر کہنے والے یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ یہ پالیسی اختیار کرنا مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے، حتّٰی کہ اگر نہ کرینگے تو گنہگار ہونگے۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ ہم کو کانگریس میں شریک ہو کر اس کے نظام کی اصلاح کرنی چاہیے کانگریس ایک جمہوری ادارہ ہے۔ ہر طبقے اور خیال کے لوگ اس میں شریک ہو سکتے ہیں اور جمہوری اصولوں پر طاقت پیدا کر کے اس کو متأثر کر سکتے ہیں۔ اس وقت جو گروہ اس پر حاوی ہو گیا ہے، اس کے حاوی ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس ادارہ میں طاقت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی، اور اپنے مخالفین کو اس کا موقع دیدیا کہ کانگریسی نظام پر مسلط ہو کر ملک کی عنان سیاست اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اگر مسلمان اب بھی اس غلطی سے باز نہ آئے تو بلاشبہ وہی انجام ہوگا جس کا خطرہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔ لیکن اگر وہ عقل سے کام لیں اور کانگریسی نظام میں داخل ہو کر طاقت پیدا کر لیں تو نہ صرف یہ کہ وہ اس برے انجام کو روک سکتے ہیں، بلکہ اپنی تنظیم سے کانگریس پر قابض بھی ہو سکتے ہیں۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ ہم کانگریس کے مقابلہ میں اپنی تنظیم کریں اور لڑ کر اس بچۂ فرعون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نشوونما کو روکیں جو فرعون برطانیہ کی گود میں پرورش پارہا ہے۔

ہمیں بہ ثبات عقل و ہوش ان تینوں تجویزوں اور ان کے تمام پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔

پہلی تجویز دو شدید غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔

اول تو یہ بالکل غلط طور پر فرض کرلیا گیا ہے کہ ہندوستانی قوم پرستوں کی موجودہ جدوجہد کا مقصد آزادی کامل ہے، اور اس کا نتیجہ انگریزی امپیریلزم کا خاتمہ ہوگا۔ نمک سازی کے دور میں تو اس غلط فہمی کے لیے کچھ نہ کچھ گنجائش موجود تھی بھی، مگر آج جو شخص اس خیال کو اپنے دماغ میں جگہ دے رہا ہے اسے اپنے دماغ کا علاج کرانا چاہیے۔ خود آزادی پسند کانگریسی آج فریاد کر رہے ہیں کہ کانگریس انقلابیت سے دستوریت (Constitutionalism.) کی طرف رجعت کر گئی ہے، اور آزادی کامل کے نصب العین کو بھلا کر اس نے حکومت خود اختیاری زیر سایۂ برطانیہ کو اپنا مقصود بنا لیا ہے۔ ایسی حالت میں یہ توقع کرنا ہی سراسر غلط ہے کہ اس نام نہاد آزادی کی جنگ سے برطانوی امپیریلزم کا خاتمہ ہو جائیگا اور دنیائے اسلام انگریزوں کے پنجہ سے چھوٹ جائیگی۔

دوسرے بالفرض اگر ایسا ہونا متوقع بلکہ یقینی بھی ہو، تو میں کہتا ہوں کہ اس طریقہ سے دنیائے اسلام کو بچانا ہرگز ہمارا فرض نہیں ہے اور فرض تو در کنار مذھباً ہمارے لیے جائز تک نہیں ہے۔ جو علمائے کرام اس تجویز کو بڑے زور شور سے پیش فرماتے ہیں وہ اصل مسئلہ سے قطعاً ناواقف ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ دنیائے اسلام اور خصوصاً مقامات مقدسہ کی آزادی کے لیے ہر قسم کی قربانی دینا ہم پر لازم ہے، حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ جان اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مال کی قربانی دینے پر تو ہم ضرور مامور ہیں، لیکن دین و اخلاق کی قربانی ہم کسی چیز کے لیے حتّٰی کہ کعبۂ مقدس اور گنبدِ خضرا کیلیے بھی نہیں دے سکتے۔ اگر جنگ آزادی کا مآل صرف اسی قدر ہوتا کہ مسلمانوں کی جانیں اور انکی گاڑھی کمائیاں ہی اس میں قربان ہوتیں، تو بے شک ہم کہتے کہ دنیائے اسلام اور مقامات مقدسہ کی آزادی کے معاوضہ میں ہندوستان کے پورے آٹھ کروڑ مسلمانوں کی دولت اور ان سب کی جانیں بھی گراں نہیں ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔ یہاں جنگ آزادی جس چیز کو کہا جا رہا ہے اس میں جان و مال کا نہیں بلکہ دین و اخلاق کا زیاں ہے۔ اسکا مآل یہ ہے کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کی عظیم الشان قوم رفتہ رفتہ مرتد ہو جائے، اور اسکی نسل سے مادہ پرست دہریے پیدا ہوں جنکے عقائد اور اخلاق میں اسلامیت کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ کونسا عالم دین یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ دنیا کی کسی چیز کے لیے یہ قربانی بھی دی جا سکتی ہے؟ کوئی مفتی صاحب مجھے بتائیں کہ اگر ایسی کوئی صورت پیش آجائے کہ میں رب کعبہ کا انکار کر کے کعبہ کو بچا سکتا ہوں تو میرا فرض کیا ہے؟ کعبہ کو بچانے کیلیے رب کعبہ کا انکار کر دوں؟ یا صاف کہدوں کہ ان دیواروں کے ساتھ جو کچھ پیش آنا ہے آئے، مگر رب کعبہ کا انکار نہیں ہو سکتا؟ اگر کسی مسلمان کو کعبہ کے سامنے کھڑا کیا جائے اور کہا جائے کہ یا تو اپنی بیٹی کو مرتد کرنے اور رقاصہ اور فاحشہ بنانے کیلیے ہمارے حوالہ کر دے ورنہ اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائیگی تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ کعبہ کو بچائے یا اپنی بیٹی کے دین و اخلاق کو بچائے؟ جو شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اسکی رو سے تو کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ دین و اخلاق کی حفاظت پر کعبہ کی حفاظت مقدم ہے۔ پس جب ایک فرد مومن کا ایمان اور اسکی عفت و عصمت بھی بیت اللہ الحرام سے زیادہ قیمتی ہے، تو ایک پوری مسلم قوم اور اسکی آئندہ نسلوں کے ایمان و اخلاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باب میں آپ کا کیا خیال ہے؟

اب دوسری تجویز کو لیجیے۔ بظاہر یہ بڑی خوش آئند تجویز ہے، اور سطحی نگاہ میں نہایت معقول نظر آتی ہے، مگر تھوڑے سے تدبر ہی سے اس کا ضعف نمایاں ہو جاتا ہے۔

انگلستان کا نظام حکومت جمہوری ہے۔ پارلیمنٹ کے دروازے ہر طبقہ و خیال کے لوگوں کیلیے کھلے ہوئے ہیں۔ لبرل، کنزرویٹو، لیبر، سوشلسٹ حتیٰ کہ کمیونسٹ بھی اسکے ممبر بن سکتے ہیں۔ ان میں سے جو جماعت بھی قوم کے سوادِ اعظم کو اپنا ہم خیال بنالے وہ حکومت انگلستان پر قابض ہو سکتی ہے۔ لیکن بعینہٖ یہی مرتبہ آئرلینڈ کو بھی برطانیہ عظمیٰ کے جمہوری نظام میں حاصل تھا، اور کبھی آئرش قوم کے نمائندوں کو اتنی بھی طاقت حاصل نہ ہو سکی کہ اپنے قومی حقوق کا تحفظ ہی کر لیتے، حکومتِ انگلستان پر قابض ہو جانا تو درکنار۔ آئرش قوم اپنی بہادرانہ قربانیوں، اپنی زبردست تنظیم اور اپنے امریکن ہمدردوں کی بے حد و حساب مالی اعانتوں کے باوجود پارلیمنٹ کے اندر رہ کر انگریزی نظام سلطنت پر کوئی اثر نہ ڈال سکی۔ آخر کار اسکو باہر سے لڑنا پڑا، اُس نظام ہی سے اصلاً بغاوت کرنی پڑی جو اس پر مسلط تھا، اور آج اسکو جو کچھ حاصل ہوا ہے، اندرونی تعاون سے نہیں بلکہ بیرونی جنگ سے ہوا ہے۔

سوال یہ ہے کہ انگلستان کی مختلف پارٹیوں کے حال اور آئرش قوم کے حال میں یہ نمایاں فرق کیوں تھا؟ کیا یہ کوئی اتفاقی امر تھا، یا درحقیقت کوئی اصولی فرق پایا جاتا تھا؟ اس سوال پر جب آپ غور کرینگے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انگلستان کی مختلف پارٹیوں کے درمیان کوئی قومی امتیاز نہیں ہے۔ کوئی پارٹی دوسری پارٹی کے مقابلہ میں امپیریلزم کا داعیہ نہیں رکھتی اسلیے جمہوری اصولوں کے تحت یہ پارٹیاں ایک دوسرے کو شکست دیکر نظام حکومت پر قبضہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر سکتی ہیں اور کرتی رہی ہیں۔ بخلاف اسکے آئرش قوم اور اہل برطانیہ کے درمیان قومی امتیاز تھا۔ انکے مقابلہ میں سب انگریز اپنی مختلف پارٹیوں کے باوجود ایک تھے۔ انگریزی قوم بحیثیت مجموعی، آئرش قوم پر اپنا امپیریلزم قائم رکھنے کا عزم کیے ہوئے تھی، اسلیے جمہوری اصول آئرش قوم کیلیے محض بیکار رہتے۔ انگلستان کے جمہوری نظام حکومت میں داخل ہو کر یہ قوم نہ تو اندرونی تعاون سے کوئی فائدہ حاصل کر سکی، اور نہ اندرونی مزاحمت سے۔ اس کے درد کا علاج باہر سے لڑنے کے سوا اور کچھ نہ تھا، چنانچہ جب اس نے یہ علاج کیا تب ہی اس کا درد دور ہوا۔

بعینہٖ یہی صورت حال یہاں بھی ہے۔ ہمارا معاملہ کانگریس کی سیاسی پارٹیوں سے بالکل مختلف ہے۔ وہ پارٹیاں ہیں، اور ہم پارٹی نہیں بلکہ "قوم" ہیں۔ ان کے مقابلہ میں نہ قومی امتیاز ہے اور نہ امپیریلزم، بخلاف اسکے ہمارے مقابلہ میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔ نیز ہمارا معاملہ ہندوستان کی دوسری قوموں سے بھی مختلف ہے۔ ہمارے مقابلہ میں جتنا سخت قومی امتیاز اور امپیریلزم کا داعیہ پایا جاتا ہے، ہندوستان کی کسی دوسری قوم کے مقابلہ میں وہ اتنا سخت نہیں ہے۔ پس یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ جمہوری اصولوں پر تعاون یا داخلی مزاحمت کر کے ہم ایک ایسے نظام پر قابض ہو سکیں، یا کم از کم اسکو متاثر کر سکیں، جسکی اکثریت ہمارے خلاف قومی امتیاز اور امپیریلزم کا داعیہ رکھتی ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک دوسری اصولی بات بھی ذہن نشین کر لیجیے — آپ کسی مضبوط نظام میں داخل ہو کر تعاون یا مزاحمت سے فروعی اصلاحات اور جزوی ترمیمات تو کرا سکتے ہیں، مگر اسکے اصول نہیں بدلوا سکتے۔ اصول بدلوانے کا طریقہ اندر سے نہیں بلکہ باہر سے دباؤ ڈالنا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریزی سلطنت میں لاکھوں ہندوستانی ملازم ہیں ۔ بڑے سے بڑے عہدوں پر بھی پہنچ چکے ہیں ۔ مگر کیا وہ اسکی پالیسی اور اسکے اصولوں میں کوئی تغیر کر اسکے ؟ ڈیڑھ صدی کے تجربہ کے بعد ہندوستانیوں کو آخر کار عدم تعاون اور سول نافرمانی کا طریقہ کیوں اختیار کرنا پڑا ؟ اسی لیے کہ ایک مضبوط نظام میں داخل ہو کر، اسکے اصول تسلیم کر کے اور اسکے ڈسپلن کی گرفت قبول کر کے، اسکی پالیسی اور اسکے اصولوں کو بدلوانا ممکن نہ تھا ۔

بالکل یہی صورت حال ہمارے اور کانگریس کے درمیان بھی ہے ۔ ہمارے اور اسکے درمیان فروعی اختلاف نہیں بلکہ مقاصد، اصول اور پالیسی کا اختلاف ہے ۔ وہ قومیتوں کو مٹا کر ہندوستان میں واحد قومیت بنانا چاہتی ہے، اور ہم قومیتوں کو برقرار رکھ کر بین الاقوامی وفاق چاہتے ہیں ۔ وہ ہندوستان کی آبادی کو ایک قوم فرض کر کے جمہوریت اور پارٹی گورنمنٹ کے اصول اختیار کرتی ہے، اور ہم سرے سے ان اصولوں ہی کے مخالف ہیں ۔ وہ واحد قومیت بنانے کیلیے قوموں کے امتیازی وجود کو نظر انداز کرنے، اور انکی امتیازی خصوصیات کو دبانے اور مٹانے، اور طریق تعلیم، زبان، ادب اور تمدن و معاشرت کو ان اغراض کیلیے متاثر کرنے کی پالیسی اختیار کرتی ہے، اور ہم اس پالیسی کو اپنے لیے مہلک سمجھتے ہیں ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کانگریس کے نظام میں داخل ہو کر ہم تعاون یا مزاحمت سے اسکے مقاصد، اصول، پالیسی، سب کو بدل ڈالیں ؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہے، تو ارشاد ہو کہ آپ کس طاقت سے ایسا کر سکینگے ؟ اخلاقی دباؤ اور دلائل کے زور سے ارکان کانگریس کے سوادِ اعظم کی ذہنیت، انکے تصورات، انکے رجحانات انکی خواہشات اور انکے قومی عزائم بدل ڈالیے گا ؟ یا کانگریس میں مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد لے جائیے گا کہ جمہوری اصولوں پر آپکے ووٹ ہندوؤں کے ووٹوں سے بڑھ جائیں ؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داخلی مقاومت اور جدوجہد سے۔۔کسی منتظم جماعت کے اصول اور طریقِ کار میں تغیر پیدا کرنے کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں:

یا تو تغیر چاہنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ وہ اس جماعت پر چھا جائیں۔ اس صورت میں کلی تغیر بھی ہو سکتا ہے۔

یا اس جماعت کے اندر ان کا نظام اتنا زبردست ہو کہ وہ اپنی منظم مقاومت سے اس جماعت کو پریشان کر دیں۔ اس صورت میں کلی تغیر تو نہیں، البتہ قابل لحاظ تغیر ضرور ممکن ہے۔

یا پھر تغیر چاہنے والے اپنے اخلاقی اثر اور اپنے دلائل کی قوت سے اس جماعت کی رائے کو متأثر کر دیں، اور اس طرح وہ جماعت خود ہی حق اور عدل کی طرف مائل ہو جائے۔ اس طریقہ کی کامیابی تمام تر اس جماعت کی انصاف پسندی و حق آگاہی پر منحصر ہے۔

ان میں سے پہلی صورت تو یہاں ناقابلِ عمل ہے۔ کسی حسابی معجزے کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے کہ کانگریس میں مسلمانوں کے ووٹ، ہندوؤں کے ووٹوں سے زیادہ ہو جائیں۔ لہذا جو لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ کثرت سے کانگریس میں داخل ہو اور اس پر قابض ہو جاؤ انکی بات اتنی ہی قابلِ التفات ہے جتنی اس شیر خوار بچے کی بات قابلِ التفات ہو سکتی ہے جو بیچارا ایک اور چار کی نسبت سے بھی واقف نہیں۔

اب باقی دو صورتیں رہ جاتی ہیں، سو ہم ان کا تفصیلی امتحان لے کر دیکھینگے کہ ان سے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

داخل میں منظم جدوجہد اور مقاومت صرف اس طرح ممکن ہے کہ کانگریس میں جتنے مسلمان شریک ہیں، اور آئندہ شریک ہوں، وہ سب کے سب، یا انکی ایک بہت بڑی اکثریت ایک پارٹی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ ایک ٹیم بن کر رہے، اُن کی قیادت ایک ایسے دیندار گروہ کے ہاتھ میں ہو جو اسلامی مفاد کا صحیح احساس و شعور رکھتا ہو، اور وہ اس گروہ کی ایسی کامل اطاعت کریں کہ ان کا کانگریس میں رہنا یا نکل آنا اس کے حکم پر موقوف ہو۔

کیا بحالات موجودہ کانگریس میں ایک مسلم پارٹی کی تنظیم اس طرز پر ہو سکتی ہے؟ واقعات سے اس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ وہاں جو مسلمان شریک ہیں، ظاہر میں ان سب پر لفظ مسلمان کا اطلاق ہوتا ہے، اور آزادیِ ہند کے مسئلے میں وہ ہم آہنگ بھی ہیں، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے ان کے خیالات اس قدر متضاد ہیں کہ ان کو ایک پارٹی میں منسلک کرنیکا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے ایک گروہ تو قطعی طور پر اسلام سے منحرف ہو چکا ہے، اور حتماً یہ رائے رکھتا ہے کہ ہندوستان کے آئندہ نظام اجتماعی میں مذہب کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ دوسرا گروہ نہ منحرف ہے اور نہ معتقد۔ اس گروہ میں اتنی مختلف اقسام پائی جاتی ہیں جتنی سانپوں کی اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض اسلام کے متعلق خود اپنے کچھ تصورات رکھتے ہیں جن کے لیے کتاب و سنت کی سند غیر ضروری ہے۔ بعض کو "مسلمان" کے سیاسی و معاشی مفاد سے تو ضرور دلچسپی ہے، مگر اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بعض ایسے ہیں جو مسلمانوں کے مفاد کو کسی حد تک اہمیت ضرور دیتے ہیں، مگر اتنی نہیں کہ "ملک" کے مفاد کا جو تصور ان کے دماغ میں ہے اس پر مسلمانوں کے مفاد کو قربان کرنے میں انہیں کوئی تامل ہو۔ تیسرا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو دیندار، اہلِ علم اور نیک نیت ہیں۔ کانگریس میں جب کبھی ہندوستان کے مشترک مفاد کا کوئی مسئلہ اٹھے گا، یہ سب گروہ ایک آواز بلند کرینگے۔ مگر جب اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کا سوال آئیگا تو یہ اسقدر بھانت بھانت کی بولیاں بولینگے کہ اسلام اور مسلمان، دونوں غیر مسلموں کیلیے مضحکہ بن کر رہ جائینگے، اور یہ متعین کرنا بھی مشکل ہو جائے گا کہ حقیقت میں اسلام کیا چیز ہے اور مسلمانوں کا مفاد کس چڑیا کا نام ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماس کانٹیکٹ کے ذریعہ سے یہ تینوں گروہ مسلمانوں کو کانگریس میں بھرتی کر رہے ہیں، اور اب علمائے کرام کے صدقے میں کانگریس کے ہندو کارکن بھی بھرتی کا کام کرنیکے قابل ہو گئے ہیں۔ اس طرح جو مسلمان کانگریس میں جا رہے ہیں وہ تین بالکل مختلف گروہوں اور ان کی بے شمار شاخوں میں تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

کانگریس کے ہندو ارکان کی ہمدردیاں تمام تر پہلے گروہ سے وابستہ ہیں۔ خواہ گاندھی جی ہوں، یا جواہر لال، یا کوئی سخت مہا سبھائی، بہر حال فطرۃً ان سب کا میلان اُن نام نہاد مسلمانوں کی طرف ہے جو اسلام سے اعتقاداً اور عملاً منحرف ہو چکے ہیں، اور جو اسوقت ہندوستان میں اسلام اور اسلامی قومیت کی جڑیں کاٹنے کیلیے بدترین منافقوں کا پارٹ ادا کر رہے ہیں کانگریس کے ذمہ دار عہدے اور کانگریسی حکومتوں کے تحت عزت اور منفعت اور اثر و اقتدار کے مناصب تمام تر انہیں منافقین کیلیے وقف ہیں اور رہینگے۔ ان کے بعد کانگریسی لیڈروں کے نزدیک اگر کوئی گروہ قابلِ ترجیح ہے تو وہ دوسرا گروہ ہے، اور اس گروہ میں سے بھی خصوصیت کیسا تھ وہ طبقہ جو منافقین کے مقام سے اقرب ہے۔ باقی رہا تیسرا گروہ اور اس سے قریب تر تعلق رکھنے والے طبقے، تو ان کو محض آلۂ کار کی حیثیت سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ جب تک یہ وفادار خدام کی حیثیت سے صرف رنگروٹ بھرتی کرتے رہینگے، ان سے مداہنت برتی جائیگی۔ جہاں انہوں نے کچھ زور پکڑا اور اسلامی مفاد کا نام لیا، ان پر منافقین کی اُس فوج کو شکار دیا جائیگا جو اسی دن کے لیے پرورش کی جا رہی ہے۔ ایسے موقع پر ہندو لیڈروں کو خود سامنے آنیکی تکلیف بھی نہ اٹھانی پڑیگی۔ ہماری اپنی قوم کے منافقین ہی ہمارے دینداروں کو بھنبوڑ کھائینگے کیا ایسی حالت میں کانگریس کے اندر اسلامی مفاد کیلیے کوئی منظم جدو جہد کی جا سکتی ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسکے بعد تیسری صورت باقی رہ جاتی ہے۔ جہاں تک اخلاقی اثر اور دلیل وحجت کا تعلق ہے، اسکے لیے کثرت تعداد کی کوئی حاجت نہیں۔ اگر کوئی جماعت واقعی حق پسند اور نصفت شعار ہے تو اس کو ایک تنہا شخص بھی حق کا اعتراف کرنے اور انصاف سے کام لینے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ گزشتہ چند مہینوں میں کانگریسی حکومتوں نے جو مسلمانوں کیساتھ جو صریح اور ناقابل انکار بے انصافیاں کی ہیں، ان میں سے کس کی تلافی ہمارے دیندار کانگریسی بھائیوں نے اپنے اخلاقی اثر اور اپنے زورِ استدلال سے کرالی؟ کیا واردھا اسکیم اور ودیا مندر اسکیم میں ایک شوشے کا بھی تغیر کرالیا؟ کیا گائے کی قربانی کو دفعہ ۱۴۴ کی زد سے بچا لیا؟ کیا اس صریح بے انصافی کا کوئی تدارک کرالیا جو بہار اور سی پی کے ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں میں مسلمانوں کیساتھ روا رکھی گئی ہے؟ جگہ جگہ مدرسوں اور پبلک جلسوں میں مسلمانوں کو بندے ماترم کیلیے قیام تعظیمی پر جو مجبور کیا جارہا ہے، کیا اسکا کوئی تدارک کرالیا؟ (اور اگر یہ نہیں تو یہی ارشاد ہوکر صرف نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہی کیلیے قیام تعظیمی ممنوع ہے، اور صرف اسی پر رسالے تصنیف کرنے اور فتوے شائع کرنے کی بھی ضرورت ہے! باقی رہا بندے ماترم تو وہ اس سے بالاتر ہے کہ اسکے لیے قیام تعظیمی کرنے یا نہ کرنے کا سوال معرض بحث میں لایا جاسکے!) سی پی میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ہندو وزراء اور ایک مسلمان وزیر کیساتھ جو مختلف قسم کے طرزِ عمل اختیار کیے، کیا اس پر کوئی نتیجہ خیز باز پرس کرلی؟ حکومت کی طاقت سے اردو کو دبانے اور ہندی کو ابھارنے کی علی الاعلان جو کوششیں ہورہی ہیں، کیا ان کو رکوا دیا؟ کانگریسی حکومتوں میں نہایت متعصب اور بدنام مہاسبھائیوں کو جو ذمہ دار عہدے دیے گئے ہیں، کیا ان پر کوئی مؤثر احتجاج کرلیا؟ اگر کوئی کانگریسی مسلمان سخن پروری کیساتھ نہیں بلکہ دیانت اور صداقت کیساتھ ان امور کے متعلق اپنا کوئی کارنامہ پیش کرسکتا ہے، تو سامنے آئے اور ضرور آئے۔ اور اگر اسکے پاس ہمارے ان سوالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا کوئی جواب اسکے سوا نہیں ہے کہ "ہماری پشت پر دیندار مسلمانوں کی اتنی طاقت ہی نہیں جس سے ہم ان بے انصافیوں کا تدارک کرا سکیں"، تو ہمارا مدعا خود اسکے اپنے اعتراف سے ثابت ہو گیا۔ ہم بھی اس سے یہی اعتراف کرانا چاہتے ہیں کہ وہ ایک ایسی جماعت سے تعاون کر رہا ہے جو حق کو حق اور انصاف کو انصاف ہونے کی حیثیت سے قبول کرنے والی نہیں ہے، بلکہ صرف زور اور طاقت کے آگے سر جھکانے والی ہے، لہذا اسکے ساتھ تعاون کر کے محض اخلاقی طاقت سے وہ کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔

درحقیقت ہر دلیل سے یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ کانگریسی ہندوؤں کے اندر امپیریلزم کی روح کار فرما ہے، اور اس میں اور انگریزیں اسکے سوا کوئی فرق نہیں کہ انگریز کا امپیریلزم ہم پر مستولی ہو چکا ہے، اور ہندو کا امپیریلزم انگریز کی مدد سے مستولی ہو رہا ہے۔ پس انگریزی امپیریلزم کیساتھ تعاون کرنا اگر ٹوڈیت ہے، تو ہندو امپیریلزم کیساتھ تعاون کرنا بھی ٹوڈیت ہے۔ مسلمان کے نقطۂ نظر سے دونوں میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ کہ ایک قیصر کا غلام ہے اور دوسرا ابوجہل کا۔

معذرت

جب سے "ترجمان القرآن" دارالاسلام منتقل ہوا ہے، پٹھانکوٹ پوسٹ آفس کا اسٹاف اسکو نقصان پہنچانے کی مسلسل کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ اس کا تازہ کارنامہ یہ ہے کہ ربیع الاول کا پرچہ بلا کسی قانونی بنیاد کے بیرنگ کر دیا گیا۔ ہم اس کے تدارک کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ مگر جب تک ہمیں اس میں کامیابی نہ ہو، ناظرین رسالہ سے گذارش ہے کہ دوسروں کے ظلم کا الزام ہمارے سر رکھ کر شکایت نہ فرمائیں، بلکہ اس ظلم کے دفع کرنے میں ہماری مدد کریں۔

(مینیجر)

© rasailojaraid.com